☆سیّدہ ارم جبیں

☆سیّد جاوید اقبال

مولانا ظفر علی خان کے کلام میں تلمیحات کا تحقیقی مطالعہ

Research study of "Allusion" in Maulana Zafar Ali Khan's work

Maulana Zafar Ali Khan (January 17, 1874 to November 27, 1956) was a pensive poet, writer, literary commentator, translator, and journalist having a unique and notable standing in Urdu literature. This dissertation is a research study of "Allusions" in Maulana's work. It is divided into two segments. The first reflects the definition and brief historical evolutionary continuation of one of the poetic figures "Allusion" along with a brief study of the variances in "Allusions" during the 20th century. The second part consists of the research study and explanations of the usage of the "Allusion" in Maulana Zafar Ali Khan's work.

Maulana Zafar Ali Khan was one of the early 20th century poets who used "Allusions" with classical and modern paradigms. He used historical references of the age in his poetry through poetical figure "Allusion," and it is the reason his poetry has some important referential elements. The dissertation will help to study Maulana's work with historical references of the 20th century.

مولانا ظفر علی خان (۱۷/جنوری ۱۸۷۴ء۔ ۲۷/نومبر ۱۹۵۶ء) ایک عہد ساز شخصیت ہیں۔ اردو ادب کے پر فکر شاعر، صاحبِ طرز ادیب، صحافی، تبصرہ نگار، مترجم اور دانشور کی حیثیت سے آپ کا نام ایک منفرد حوالے کے طور پر لیا جاتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان کے کلام میں موجود تلمیحات کے تحقیقی مطالعے پر مبنی ہے۔ اس مقالے کی ترتیب میں پہلے تلمیح

☆ لیکچرر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ خان بہادر محمد صدیق گرلز کالج، حیدر آباد۔ irumjabin@yahoo.com

☆ پروفیسر شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو urdusindh@yahoo.com

کی تعریف،فن اوراس کے ارتقائی تسلسل کی مختصر وضاحت کی گئی ہے اور پھر بیسویں صدی میں تلمیحات کے ضمن میں رونما ہونے والے تغیّرات اور مولانا ظفر علی خان کے مجموعہ ہائے کلام سے تلمیحات کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

(۱)

کسی بھی کلام میں بنیادی خصوصیت فصاحت وبلاغت ہے۔یہ کلام کا وہ جز ہے جو اس کے حسن ودلکشی کو نکھارتا ہے۔ کلام میں فصاحت و بلاغت پیدا کرنے کے لیےعلمِ معانی،علمِ بیان اورعلمِ بدیع سے واقفیت بہت اہم ہے۔الفاظ وحروف کا جوڑ توڑ،زبان کا اختصار،ٹھہراؤ،جامعیت،طرزِ ادا،طرزِ تحریر،کسی لفظ کومختلف انداز میں بیان کرنے کا ہنر اورلفظی ومعنوی خوبیاں کلام میں دلکشی ورعنائی تبھی پیدا کر سکتے ہیں،جب شعرادرج بالا علوم پرقدرت رکھتے ہوں۔شعرائے اردو نے ابتدا سے ہی ان علوم اوران سے متعلقہ صنائع کواپنے کلام میں جابجا استعمال کیا ہے۔انھیں میں شامل ایک صنعت ''تلمیح'' بھی ہے۔

تلمیح:لفظی مفہوم:

لفظ تلمیح (تل۔میح) عربی زبان سے مشتق ہے۔لغت المنجد میں اس کا مادّہ لَمح بمعنی:دزدیدہ نظر سے دیکھنا/ نگاہ ڈالنا/ اچٹتی ہوئی نظر ڈالنا/ چمک دار بنانا،تلمیحاً اشارہ کرنا،تلماحاً:ستارہ یا بجلی کا چمکنا۱،سبک نگاہ کرنا۲،نگاہ ونظر،خیال وتصور۳،کسی چیز کی طرف نظر کرنا۴،آنکھ چرا کر دیکھنا۵ ہے۔انگریزی میں اس کے لیے لفظ allusion مستعمل ہے۔

اصطلاحی مفہوم:

لغت نامہ دہخدا میں تلمیح کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

''اصطلاحِ علمِ بدیع اشارہ کردن درکلام بہ قصہ یا آوردن اصطلاحاتِ نجوم وموسیقی وغیرہ یا درکلامِ خود آوردن آیاتِ قرآنِ مجید یا احادیث،امثلہ،آوردن قصّہ ظہوری گفتہ۔''۶

اصطلاح میں تلمیح سے مراد کسی مشہور مسئلے،حدیث،آیتِ قرآنی یا قصے یا مثل یا کسی اصطلاحِ علمی وفنّی ۷،اصطلاحاتِ نجوم یا موسیقی کا لانا ہے۸،اور جب تک یہ اشارہ توضیح کا رنگ اختیار نہ کرلے شعر کا مفہوم متعین نہ ہو۔۹

درج بالا تعریفات کی رو سے تلمیح کا تعلق علمِ بدیع سے ہے۔یہ ایسی صنعت ہے جس میں پیشِ نظر کوئی واقعہ/ قصّہ خواہ وہ فرضی ہو یا حقیقی،عصری ہو یا تاریخی اصطلاح،مثل یا مسئلے کو شعری قالب میں ڈھال کر حسنِ لطیف پیدا کیا جاتا ہے یعنی تلمیح ایک لفظ میں پورا واقعہ سمونے کا ہنر ہے۔ادب میں تلمیحات کا رواج زمانۂ قدیم سے رہا ہے۔سید محمد شمیم خزانۂ تلمیحات کے مقدمے میں تلمیحات کو ہزار ہا سال قدیم پہلی صنعت کہتے ہیں۔ان کے بقول:

''اہرامِ مصر میں موجود کتبوں پر جانوروں اور دیگر اشیا کی تصاویر ونقوش کے پیچھے کوئی نہ کوئی واقعہ کارفرما رہا ہے اور چوں کہ حروف ایجاد نہ ہوئے تھے تو کسی واقعے کو تصاویر کے ذریعے اجاگر کیا جاتا تھا۔''۱۰

الفاظ وحروف کی صورت میں انسان کو جب قوتِ اظہار میسر آیا تو فرد نے سب سے پہلے خود پر گزرنے والے واقعات

کومحفوظ کرنے کی سعی کی ہوگی یوں تلمیح بطور علامتی لفظ کے تاریخی واقعے کو محفوظ کرنے کا ذریعہ بن گئی۔دراصل تلمیحات وہ گنجینۂ معانی ہیں جن کا تعلق ہر دور میں انسانی سرگزشت سے رہا ہے، یہ تاریخی آگاہی اور تہذیبی ترقی کی وہ کڑیاں ہیں جو کسی معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات (خواہ تاریخی ہو یا عصری) کو محفوظ کرکے اس کی حماسی روح کو ذہنوں میں زندہ رکھتی ہیں۔بقول پروفیسر وحیدالدین سلیم:

> ''دنیا کی جو زبانیں ترقی یافتہ ہیں، ان میں تلمیحیں اور اصطلاحیں کثرت سے ہیں۔۔۔طویل قصّوں اور کہانیوں اور علمی مسئلوں اور اصولوں کے بار بار بیان کرنے میں جو وقت ضائع کرنا پڑتا ہے، اس سے ان تلمیحوں اور اصطلاحوں نے بچادیا ہے۔''[۱۱]

اردو زبان اس حوالے سے خوش قسمت زبان ہے کی تلمیحات کی تعداد کے ذیل میں اردو شاعری زرخیز رہی ہے۔تلمیحات کی جتنی اقسام ہیں شعرانے ہر ایک کو اپنے انداز میں شعری قالب میں ڈھال کر اسے نت نئے معانی پہنائے ہیں۔اب تک اردو کی پہلی تصنیف تسلیم کی جانے والی مثنوی کدم راوٴ پدم راوٴ (مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی) میں بھی تلمیحات کی مختلف صورتیں ملتی ہیں۔مثلاً یہ تلمیح ملاحظہ ہو:

ابراہیم ادہم کے جیو چھوڑ راج گیا راج تھل دے سنور آپ کاج (ص ۲۱۵)

عربی و فارسی ادب کے زیر اثر ابتدا میں اردو شاعری میں تلمیحات کا ذخیرہ بھی عربی و فارسی سے مستعار تھا۔طویل عرصے تک قرآنی قصص اور ایرانی اساطیر و شخصیات بطور تلمیح اردو شاعری میں موضوعِ سخن رہیں۔ایک دور تک خضر و موسیٰ، سکندر، لیلیٰ مجنوں، شیریں و فرہاد، ابنِ مریم، یوسف و زلیخا، سلیمان و داوٴد جیسی تلمیحات حسن و دلکشی میں اضافے کا باعث بنتی رہیں جن میں شعرانے اپنے اپنے انداز میں مخصوص واقعات سے نئے مطالب پیدا کیے۔اس حوالے سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

خضر وسکندر: آبِ حیات جا کے کسی نے پیا تو کیا گو خضر ہو جہاں میں اکیلا جیا تو کیا (دیوان زادہ، ص۶)

یوسف وزلیخا: کیا پانی کے مول آکر مالک نے گھر بیچا ہے سخت گراں، ستا یوسف کا بکا جانا (کلیاتِ میر، ص۵)

لیلیٰ ومجنوں: لیلیٰ نے آکے نجد میں مجنوں سے یوں کہا کیا آپ نے پسند کیا ہے اجاڑ خوب (کلیاتِ انشاء، ص۸۳)

موسیٰ وعیسیٰ: ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا موسیٰ نہیں جو سیر کروں کوہِ طور کا (کلیاتِ سودا، ص۳۶)

ہماری لاش پہ آوازِ قم باذن اللہ تم آکے حضرت عیسیٰ عبث سناتے ہو (کلیاتِ ذوق، ص۱۵۲)

جب فارسی زبان و ادب کا زور اردو شاعری میں کچھ کم ہوا تو شعرانے علاقائی عناصر، واقعات و اصطلاحات اور تلمیحات کے استعمال سے اسلوبِ سخن میں نئی راہ پیدا کی۔ہندوستانی دیومالائی قصوں اور ہندوستانی اساطیری واقعات و شخصیات کا ذکر بھی اردو شاعری میں کثرت سے ہونے لگا یوں کرشن، رام چندر، لکشمن، ہنومان، مدن (کام دیو)، تلسی داس، گوتم، گل بکاوٴلی، ہولی اور سوئمبر جیسی تلمیحات و اصطلاحات اردو شاعری میں شامل ہوئیں، گوکہ ان تلمیحات کو عربی و فارسی تلمیحات کی طرح قبولِ عام حاصل نہیں ہوا

لیکن اردو شاعری میں شعرا نے مقامی اثرات شامل کر کے اردو شاعری کو جدّت و ندرت ضرور عطا کی۔ اس ضمن میں چند مثالیں درج ذیل ہیں:

راون: آتشِ عشق نے راون کو جلا کر مارا گرچہ لنکا سا تھا اس دیو کا گھر پانی میں (کلیاتِ میر، ص۲۰۰)

مہادیو: مہادیو اوترے جو کیلاس سے اپنی جٹا کھولے تو شاید بن سکے اس جوگ کے بیراگ کا جوڑا (کلیاتِ انشاء، ص۲۷)

ہنومان: کنور جی بھی ٹھاکر کے ایسے ہی ہیں ہنومان جیسے مہیشر کے سُت (کلیاتِ انشاء، ص۸۷)

رام چندر: جب ملا رام چندر کو بن باس اور نکلا وطن سے ہو کیا داس (کلیاتِ حالی، نظم: حبِ وطن، ص۲۴۸)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''یہ درست ہے کہ اردو شاعروں نے ہندوستانی دیو مالا کو بہت کم منہ لگایا اور وہ ہندی تلمیحوں کا ذکر ایسی سہولت اور اعتماد سے نہیں کرتے جیسے عربی اور ایرانی تلمیحوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو غزل اس سلسلے میں بالکل خالی بھی نہیں۔ اس نے جس حد تک ہو سکا ہے ہندی تلمیحوں کو قبول کیا ہے۔''[۱۲]

عربی و فارسی اور مقامی اثرات سے نکل کر شاعری جب کلاسیکی دور سے جدید دور میں داخل ہوئی تو اس نے زمانہ حال کے حوادث و افکار کے تحت نئی کروٹ لی۔ شعرا نے بیان کے نئے نئے سانچے تلاش کیے۔ بین الاقوامی خیالات و افکار نے شاعری کو جس طرح مہمیز کیا اس کے زیرِ اثر عصرِ حاضر کے واقعات کو بھی شامل کرنا اہم سمجھا گیا، اصل مقصد ان تمام قومی اور بین الاقوامی واقعات کو تاریخ میں محفوظ کرنا تھا۔ مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) اکبر الہ آبادی (۱۸۴۶ء-۱۹۲۱ء) اور پھر سر محمد اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) حسرت موہانی (۱۸۷۵ء-۱۹۵۱ء) اور ظفر علی خان (۱۹۵۶ء-۱۹۷۴ء) [۱۳] کے یہاں عصر حاضر کے واقعات کی تلمیحات بکثرت ملتی ہیں۔

اس ضمن میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حالی: اہلِ حل وعقد ہیں اب متفق اس رائے پر سید احمد خان کو کافر جاننا اسلام ہے (دیوانِ حالی، ص۱۹)

اکبر: آکسن بھائی [۱۴] نے قربانی تعصب کی جو کی جان بل چپ ہو گئے، گایوں کی وقعت بڑھ گئی (تلمیحاتِ اکبر الہ آبادی، ص۴۱۲)

بیسویں صدی کا ابتدائی نصف یورش و انقلابات کا دور رہا، جس نے تہذیبی، اخلاقی، سماجی بالخصوص سیاسی اعتبار سے اردو شاعری میں ایک نئی روایت کی بنیاد رکھی، اجارہ داری، ذہنی غلامی، جبری استحصال، ملی شعور، سیاسی بیداری اور تصورِ آزادی جیسے خیالات نے شعرا کے قلب و ذہن کو نیا زاویۂ فکر دیا، تیزی سے بدلتے حالات نے شاعری کا رخ بھی بدل دیا، شاعری جو خیالات کے اظہار کا

ذریعہ سمجھی جاتی ہے اس نے بدلتے حالات کا اثر قبول کرتے ہوئے اسے تلمیحات کے دھاگے میں پرو کر محفوظ کرلیا۔

چند مثالیں درج ذیل ہیں:

حسرت موہانی: قلتِ افواجِ ٹرکی پر نہ ہو اٹلی دلیر ایک ہے سو کے لیے کافی جو اس لشکر میں ہے

(ہندوستان کی تحریکِ آزادی اور اردو شاعری ص ۴۸۹)

تلوک چند: نادر کا قتلِ عام ہے مشہور آج تک سفاک اس کا نام ہے مشہور آج تک

لیکن ہے جورِ نادرِ سفاک سے سوا ڈائر کے قتلِ عام کا پرہول ماجرا

[جلیانوالہ باغ کا واقعہ] (ایضاً ص ۵۱۱)

اقبال: وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

[فتنہ قادیاں کی طرف اشارہ] (کلیاتِ اقبال، ص ۴۱۶)

(۲)

پہلی جنگِ عظیم، جنگِ بلقان، جنگِ طرابلس، تحریکِ خلافت، سول نافرمانی کی تحریکیں، ہوم رول لیگ، ریشمی رومال تحریک، تحریکِ نیلی فام، انقلابِ افغانستان، تحریکِ مجلسِ احرار، واقعہ مسجد شہید گنج اور دیگر کئی تحریکیں اور حادثات واقعات شاعری کے مزاج کو یکسر تبدیل کر رہے تھے، ان تحریکوں سے متعلق سب سے زیادہ اثرات مولانا ظفر علی خان کی شاعری میں نظر آتے ہیں، بیسویں صدی میں مولانا ظفر علی خان وہ شاعر ہیں جنھوں نے نصف صدی کے واقعات کو اپنی شاعری میں محفوظ کرلیا ہے۔ جس طرح غالب کے خطوط سے دلّی کی تاریخ کے نہاں گوشوں سے پردہ اٹھتا ہے بالکل اسی طرح ظفر علی خان کی شاعری میں بھی اس دور کی ادبی و سیاسی سرگرمیوں کا احوال پوشیدہ ہے جو بذاتِ خود بیسویں صدی کے نصف دور کی ایک تاریخ ہے۔

مولانا ظفر علی خان کثیر الجہت شخصیت تھے۔ صحافت اور شاعری ان کے دو ایسے حوالے ہیں جو انھیں بیسویں صدی میں ممتاز مقام عطا کرتے ہیں۔ بحیثیت صحافی اخبار ''زمیندار'' کو (جو ان کے والد مولوی سراج الدین نے ۱۹۰۳ء میں جاری کیا) لاہور کا سب سے زیادہ مقبول روزنامہ بنادیا۔ آخری عمر تک اس کی ادارت کرتے رہے اور یہی ان کی صحافت کی پہچان بنا۔ شاعری میں بھی انھوں نے اپنی انفرادیت قائم رکھی۔ مولانا ظفر علی خان کی کل تصانیف (نثر و نظم) اور تراجم کی تعداد ۳۵ سے زائد ہے۔ ان کے شعری مجموعے درج ذیل ہیں:

حبسیات: یہ ظفر علی خان کا پہلا مجموعۂ کلام ہے، جو منٹگمری جیل میں دورانِ حراست تخلیق ہوا، یہ مختصر مجموعہ ۱۹۲۶ء میں مکتبۂ کارواں لاہور سے طبع ہوا۔

بہارستان: یہ ظفر علی خان کا ضخیم مجموعۂ کلام ہے جسے ۱۹۳۷ء میں اردو اکیڈمی لاہور نے شائع کیا۔ یہ مجموعہ ۱۶ جلی عنوانات میں تقسیم ہے۔ اشعارِ نعت و استغاثہ بہ بارگاہِ شاہِ کونین (۱۵ نظمیں)، اسلام (۱۵)، اسلامی روایات (۸)، اسلامی نغمے (۴۸)، متصوفین (۱۳)،

مغربی تہذیب (۹)، آویزشِ ہلال وصلیب (۱۵)، سلاطینِ اسلام (۵۸)، زمیندار (۶)، سیاسیاتِ ہند (۳۰)، اتحادِ بین المسلمین وہنود (۲۷)، شدھی اور سنگھٹن (۲۴)، اختلافات (۲۷)، علمی واخلاقی نظمیں (۴۳)، فکاہات (۱۰۴)، نوحے ومتفرقات (۲۵)۔اس مجموعے میں ۱۹۳۵ء تک کا کلام شامل ہے۔

نگارستان: ان کا تیسرا مجموعۂ کلام ہے جس میں کل ۲۷۱ نظمیں ہیں جو زیادہ تر سیاسی نوعیت کی حامل ہیں۔اس مجموعے میں روزنامہ ''ستارہ صبح'' میں شائع ہونے والا کلام شامل ہے۔اوّل اسے یونائیٹڈ پبلشر (سن ندارد) لاہور نے شائع کیا، بعدازاں مکتبۂ کارواں سے یہ مجموعہ ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

چمنستان: چوتھا مجموعۂ کلام ہے جو ۱۹۴۴ء میں یونائیٹڈ پبلشر لاہور سے شائع ہوا۔مولانا ظفر علی خان کے اس شعری مجموعے میں زیادہ تر سیاسی اور تاثراتی نوعیت کا کلام ہے جو انھوں نے مختلف مواقع پر فی البدیہہ کہا۔مکتبۂ کارواں (سن ندارد) سے بھی یہ مجموعہ شائع ہوا۔

ارمغانِ قادیاں: ردِقادیانیت پر تحریر کردہ نظموں کا مجموعہ ہے جو مکتبۂ کارواں (سن ندارد) سے طبع ہوا۔

نیز **شورِمحشر** (طویل نظم) ۱۵، **اربعین، گنجِ شایگاں** (چالیس احادیث کا منظوم ترجمہ جو زمیندار میں ستمبر ۱۹۲۷ء کو گنج شایگان کے عنوان سے شائع ہوا بعدازاں نومبر ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر صادق حسین نے اسے مرتب کیا) اور **خمستانِ حجاز** (۱۹۶۵ء) بھی ان کی شعری تصانیف ہیں۔

مولانا ظفر علی خان کی شاعری کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ ان کا زیادہ تر کلام ہنگامی نوعیت کا ہے، لیکن دیکھا جائے تو بیسویں صدی کے نصف اوّل میں اقبال کے بعد جن کی شاعری میں انقلابی جوش وجذبہ کارفرما نظر آتا ہے وہ مولانا ظفر علی خان کا کلام ہے۔مولانا کی شاعری کا ایک امتیاز ان کی شاعری میں تلمیحات کا کثرت سے استعمال ہے۔انھوں نے ۵۰ سالہ عہد کو اپنی شاعری میں محفوظ کردیا ہے۔تلمیحات کے ضمن میں مولانا ظفر علی خان کے کلام میں جو بوقلمونی و نیرنگی موجود ہے وہ انھیں کا خاصہ رہی۔قرآنی، احادیثِ مبارکہ، تاریخی، اسلامی، ادبی، کرداری، عصری، سیاسی، مذہبی وغیر مذہبی تلمیحات ان کے کلام کا خاص جزو ہیں۔

مولانا ظفر علی خان کے کلام میں وسعتِ تلمیحات

اسلامی: نامۂ مصطفیٰؐ ہے اب تک نقش — مٹ گیا نامِ خسرو پرویز (بہارستان، ص۵۸)

تاجوروں کے رشک کو خاکِ درِ نبی ہوئی — سرمۂ دیدۂ بلال، غازۂ چہرۂ معاذ (بہارستان، ص۳۸)

سیاسی: حکومت جن دنوں پنجاب میں تھی مارشل لا کی — تو قابل دید کے تھی اوڈوائر کی غضب ناکی (بہارستان، ص۱۵۶)

ہلادی تھی جنھوں نے رومتہ الکبریٰ کی بنیادیں — مسولینی کی ٹکر ہے پھر ان تیغ آزماؤں سے (حبسیات، ص۱۳۵)

[اشارہ ترک حکومت کی جانب ہے، جب اٹلی سلطنتِ عثمانیہ سے برسرِ پیکار تھا۔]

کرداری: مانا کہ دل افروز ہے افسانۂ عذرا — مانا کہ دل آویز ہے سلمیٰ کی کہانی (بہارستان، ص۴۶۲)

[ادبیاتِ عربی وفارسی میں فرضی محبوبہ کے طور پر بطور تلمیح یہ نام لیے جاتے ہیں]

بہ زر و زور بہ زاری و بہ زن شدّھی بھی — عمرو عیار کی زنبیل ہوئی جاتی ہے (بہارستان، ص۳۵۶)

تاریخی: منکرِ ختمِ نبوت ہو کے اہلِ قادیاں اپنے وقتوں کے ثمود و عاد ہوجانے لگے (ارمغانِ قادیاں،ص۷۸)
کہیں فسانہ یعقوبؑ کا ہے کنعاں میں کہیں ترانہ وہ داؤدؑ کا زبور میں ہے (حبسیات،ص۷)

ادبی: وہ ہند میں گونجا تو یہ آفاق میں گرجا ٹیگور کا راگ اور ہے اور نغمہ مرا اور (چمنستان،ص۱۸۰)
ہر ایک پرش ہو بھارفت کا دوسرا ٹاگور ہر استری کا تخلص سروجنی نائیڈو ہو جائے (بہارستان،ص۳۰۴)

عصری: ماسکو سے ہورہا ہے رشتہ برلن کا قریب طوق ہٹلر کا ہے اور گردن ہے مولوٹاف ؔ کی (چمنستان،ص۱۷۹)
بہشتی مقبرے کی ہڈیوں کو بھی ہوئی جنبش اور اس جنبش کی گیرائی سے سارا قادیاں لرزا (ارمغانِ قادیاں،ص۷۷)

مذہبی: فسانہ رام چندر جی کا سب کو یاد ہے ازبر انھوں نے کس طرح بنیادِ حق وصدق محکم کی (بہارستان،ص۳۰۸)
کدھر چل دیا ہے تمھارا وہ کس بل بنایا تھا ارجن کو جس نے سکندر (بہارستان،ص۳۱۰)

1۔قرآنی تلمیحات: قرآنی تلمیح کے حوالے سے ظفر علی خان کے کلام میں دو انداز نظر آتے ہیں:

الف۔لفظی تفہیم (براہ راست قرآنی آیات شامل کرنا)

ب۔معنوی تفہیم (قرآنی آیات کے تراجم اور تفاسیر کا بیان)

الف۔لفظی تفہیم: کلام میں اکثر مقامات پر ظفر علی خان نے قرآنی آیات کو من وعن نظم کیا ہے۔

☆ چپ ہوئے پاپا، چل دیے پطرس، گم ہوئے قس، مٹ گئے لوقا
جَآءَ الحَقُ و زَھَقَ البَاطِلُ اِن البَاطِلَ کَانَ زَھُوقًا (بہارستان،ص۲۲۹)

مکمل آیت یہ ہے: وَقُلْ جَآءَ الحَقَ وَ زَھَقَ البَاطِلِ اِنّ َالبَاطِل کَاَن زَھوُقًا (سورہ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۸۱)

ترجمہ: اور کہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور بے شک باطل تو ہے ہی مٹنے والا۔

☆ سمجھ لو لَن تَنَالو االبِّرَ حتّٰی تُنفِقُوا کو تم کہ یہ ارشاد ہے قرآں کے اندر بے گماں آیا۔ (بہارستان،ص۴۲۳)
لَن تنَا لُو االبرَّ حتیٰ تُنفِقُومِمَّاتُحِبُونَ (سورہ آلِ عمران: آیت نمبر ۹۲)

ترجمہ: ’’لوگو! تم ہرگز اس وقت تک نیکی (کو حاصل) نہیں کر سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ نہ کرو۔‘‘

بعض مقامات پر ظفر علی خان نے دو مختلف آیات کو ایک شعر میں بیان کیا ہے جیسے:

☆ تمھارا عُروۃ الوُثقیٰ ہے وَاعتَصمُو بِحبل اِللّٰہ پھر اس رسی کو یارو تھام لیتے کیوں نہیں تم ہو (بہارستان،ص۳۲)

عروۃ الوثقی: یہ قرآنی اقتباس قرآن مجید میں دو مقامات پر بیان ہوا ہے۔

الف۔وَ مَن تَسلِیمِ وجھہ اِلٰی اللہِ وَھُوَ مُحسن فَقَدْاستَمْسِکْ بِالْعُرُوَۃُ الوُثقیٰ وَاِلی اللہِ عَاقِبَۃُالَامُوْر
(سورہ لقمان: آیت نمبر ۲۲)

ترجمہ: اور جو کوئی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے درآں حال یہ کہ وہ نیکوکار بھی ہو تو اس نے مضبوط راستہ (سہارا) پکڑ لیا۔ ان سب کو

ہماری طرف ہی لوٹ کے آنا ہے۔

سورہ بقرہ (آیت نمبر ۲۵۶) میں بھی یہ قرآنی اقتباس موجود ہے۔

ب۔ **وَاعتَصَمُوبِحبلِ الله جَمِعياً وّالا تفرقُو**۔(سورہ آلِ عمران: آیت نمبر ۱۰۳)

ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔

☆ جس نے ہُو الکل اس کو بتایا اس سے خدا بیزار رہوا **اِنّ الله غنی عَنکُم،امر اللهِ هُوَ المَفعُول** (بہارستان، ص۱۱)

الف۔ **اِنَ تکفُرُو فَا اِنّ اللهَ غَنّی عَنکُمُ**(سورہ زمر: آیت نمبر ۷)

ترجمہ: اگر تم انکار (کفرو ناشکری) کروگے تو بے شک وہ تم سے بے نیاز ہے۔

ب۔ **اَمَرُ اللهِ هُوَ المَفعُوْل** (سورہ الاحزاب: آیت نمبر ۳۷ کا آخری جزو)

ترجمہ: اور اللہ کا حکم بہر حال ہو کر رہتا ہے۔

ب۔**معنوی تفہیم**: مولانا ظفر علی خان نے بعض اشعار میں قرآن کی معنوی تفہیم کرتے ہوئے انھیں شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ جیسے ان کے یہ دو اشعار ملاحظہ ہوں۔ دونوں اشعار میں مفہوم ایک ہی ہے۔

☆ نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا (بہارستان، ص۹۸)

☆ بجھاتے رہے پھونکوں سے کافر اس کو رہ رہ کر مگر نور اپنی ساعت پر رہا ہو کر تمام اس کا (حبسیات، ص۶)

یُریدونَ لِیطفِو نُور الله بِااَفوَاهِهِم وَاللهُ مُتِمُّ نُورهِ ولَوْكَرِهَ الكٰفِرُونَ(سورہ الصّف: آیت نمبر ۸)

ترجمہ: یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونکیں مار کر) بجھا دیں، لیکن اللہ اپنے نور (حق) کو پورا کر کے رہے گا۔ چاہے یہ بات کفار کو کتنی ہی ناگوار کیو ں نہ ہو۔ (سورہ توبہ، آیت نمبر ۳۲ کے ابتدائی حصّے میں میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے۔)

☆ خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا (بہارستان ۱۸۲)

ظفر علی خان کا مشہور زمانہ شعر قرآن پاک کی درج ذیل آیت سے ماخوذ ہے۔

اِنّ اللّٰه يغَيّيَّرُ مَا بِقَومٍ حَتىٰ يغَيّيَّرُوا مَا بِانفسِهِم. (سورہ رعد: آیت نمبر ۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی اس وقت تک کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت تبدیل نہ کر دیں۔

☆ یوں کفر کے ہجوم پہ گرتے ہیں ٹوٹ کر شیطاں پہ آسماں سے گرے جس طرح شہاب (حبسیات، ص۱۳)

اِلاّ مَن خطِف اَلخَطِفَةَ فَاَتبِعه شِهابُ ثَاقبٌ. (سورہ الصّافات: آیت نمبر ۱۰)

ترجمہ: البتہ جو کوئی جھپٹ کر کوئی (بات) اچک لے جائے تو دہکتا ہوا انگارہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔

☆ نہ جا اس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اس کی ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا (حبسیات، ص۶)

اِنَّ بَطَشَ رَبکَ لَشَدِيده(سورہ البروج: آیت نمبر ۱۲)

ترجمہ: بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔

2۔اسلامی تلمیحات:

☆ فلسفۂ اشراق یہی ہے اور اس کی شرح یہی آپ ہی خونِ شرع کریں اور آپ ہی کہلائیں مقتول (بہارستان،ص۱۱)

مقتول: مشہور ایرانی فلسفی،فلسفۂ اشراق ۱۸ کا بانی۔ابوالفتوحؒ شہاب الدین یحییٰ بن حبش بن امیرک معروف بہ المقتول کی جانب اشارہ۔یہ فلسفی بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں پیدا ہوا۔قرآن کی تعلیم مراغہ میں حاصل کی اور پھر ایک صوفی کی حیثیت سے اصفہان،بغداد اور حلب میں سکونت اختیار کی۔المقتول نے فلسفۂ اشراق کے نام سے اپنا فلسفہ اپنی مشہور ترین کتاب "حکمتہ الاشراق،، میں بیان کیا ہے۔فرقہ اشراقیون اسی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔اس فلسفے میں اسلام کی روشنی میں یونانی فلسفے اور متصوفانہ افکار کو ملا کر ایک نیا فلسفہ بہ نام''حکمتہ الاشراق''پیش کیا گیا تھا۔مقتول کے انھی اشراقی تصورات اور صوفیانہ عقائد کے باعث اس پر مقدمہ چلایا گیا اور ملک الظاہر کے دور میں ۱۱۹۱ء میں ۳۶/ ۳۸ سال کی عمر میں اسے قتل کروا دیا گیا۔۱۹

☆ شیطان ساتھ ساتھ بشکلِ یزید تھا لیکن یزید کر نہ سکا بایزید کو (بہارستان،ص۸۱)

بایزید بسطامی: سلسلۂ صوفیہ کی عظیم روحانی بزرگ ہستی۔مشائخ اور علماء میں بایزید بسطامیؒ بلند مرتبہ صوفی ہیں۔مکمل نام ''ابو یزید البسطامی طیفور بن عیسیٰ بن سروشان ہے۔حضرت امام جعفرِ صادقؓ کا زمانے میں ان سے کسبِ فیض حاصل کیا۔باقاعدہ کوئی تصنیف نہیں ہے۔ان کے اقوال کا ابوالقاسم الجنید بغدادیؒ نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا۔۲۰ مولانا ظفر علی خان نے حضرت بسطامی کو شرک و باطل کے مقابلے میں حق وصداقت اور روحانیت کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔

۳۔تاریخی تلمیحات:

☆ وہ افعی بانبیاں ضحّاک کے شانوں میں تھیں جن کے بہ روز اس عہد میں ان کا غلام احمد سپیرا ہے (ارمغانِ قادیاں،ص75)

ضحّاک: جابر و ظالم ایرانی بادشاہ جسے اس کے ظلم وستم کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے۔''تاریخ میں اس کے نام اژدر،اژی دھاک یا دھاک بھی ہیں۔بعد میں اس لفظ نے اژدھاک اور اژدھا کا روپ دھار لیا۔''۲۱ ضحاک ۲۲ کے بارے میں یہ داستان مشہور ہے کہ اس کے کاندھوں پر دو سانپ پیدا ہو گئے تھے جنھیں ہر روز دو انسانوں کا مغز کھلایا جاتا تھا،اس کے اس ظلم وستم سے تنگ آ کر رعیّت نے ایک لوہار کاوہ کی سرکردگی میں علمِ بغاوت بلند کیا،اس لوہار نے اپنی دھونکنی چیر کر ایک بانس سے باندھی اور ایک جھنڈا بنایا۔تاریخ میں اسے درفشِ کاویانی یا اخترِ کاوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ضحّاک کی ہلاکت کے بعد فریدون کو اس تخت کی بادشاہت ملتی ہے۔۲۳ شاہ نامہ فردوسی میں ضحّاک کو مادر پدر کش،ظالم اور شیطان کا خاص چیلا بیان کیا گیا ہے۔مولانا نے اسی نسبت سے موجودہ دور میں غلام احمد قادیانی کو انھیں صفات سے متصف قرار دیتے ہوئے یہ تلمیح استعمال کی ہے۔

☆ مغلوب ہوئی رائے پتھورا کی اگر فوج تھا اس میں خطا وار نہ جے چند نہ قنوج
یہ فوج کسی اور ہی طاقت سے ہوئی پست غوری کو کسی اور ہی طاقت نے دیا اوج (حبسیات،ص۱۱)

غوری/رائے پتھورا: اشارہ ہے مسلمان فاتح، جنگجو، سپہ سالار شہاب الدین غوری کی رائے پتھورا اور قنوج کے مہاراجوں پر حملے کی طرف۔''سلطان معزالدین ابنِ سام(۱۱۴۹ھ۔۱۲۰۶ھ)''[۲۴] المشھور بہ سلطان شہاب الدین غوری سلطنتِ غور کا حکمران تھا۔رائے پتھورا اُس وقت اجمیر کا راجہ تھا، قنوج راٹھوروں کی سلطنت تھی اور جے چند اس کا حکمران تھا۔''پتھندہ کا قلعہ جو اس وقت ہندوؤں کی عظیم تخت گاہ تھی پر شہاب الدین غوری نے قبضہ کیا اور بہاء الدین کو وہاں کا والی مقرر کر کے روانہ ہوا ہی تھا کہ راستے میں اسے خبر ملی کہ رائے پتھورا دو لاکھ سواروں اور تین سو ہاتھیوں کے ساتھ قلعے پر قبضہ کرنے آرہا ہے۔ترائن کے مقام پر ۱۱۹۱ء میں یہ جنگ ہوئی، شہاب الدین کو اس میں بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اگلے سال شہاب الدین نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے ایک بھرپور جمعیت کے ساتھ حملہ کیا۔ایک لاکھ سات ہزار ترکی، خلجی اور افغانی سردار اور سپاہیوں کا لشکرِ جرار لے کر شہاب الدین ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔شہاب الدین نے ہندوستان پہنچ کر اجمیر کے راجاؤں کو دعوتِ اسلام دی، پتھورا نے نہ صرف اس دعوت کو ماننے سے انکار کیا بلکہ اسلام اور بادشاہ اسلام کو سخت اور سست الفاظ سے یاد کیا۔''[۲۵]

بالآخر شہاب الدین نے جذبۂ ایمانی کے ساتھ بھرپور حملہ کیا اور جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔اس جنگ میں رائے پتھورا مارا گیا اور شہاب الدین کو فتح حاصل ہوئی۔ظفر علی خان نے اس واقعے میں توکل الٰہی اور قوتِ توحید کی جانب اشارہ کیا ہے۔ایک اور مقام پر اس واقعے کو یوں بیان کرتے ہیں:

تلوار کا بے شک دھنی ہے رائے پتھورا میداں میں اگر مدِ مقابل نہ ہو غوری

☆ چپ ہوئے پاپا، چل دیے پطرس، گم ہوئے مرقس، مٹ گئے لوقا
جَاءَ الحَقُ وَزَھَقَ البَاطِلُ اِن البَاطِلَ کَانَ زَھُوقَا (بہارستان،ص229)

پطرس (St peter): حضرت عیسیٰؑ کے حواری۔ان کا نام حواریوں میں سرِ فہرست ہے۔ان کا ابتدائی نام شمعون تھا۔پطرس کو بارہ حواریوں کا سالار سمجھا جاتا ہے۔رومن کیتھولک کا اعتقاد ہے کہ اسقفِ روما(پاپا) پطرس کا جانشین ہونے کی حیثیت سے کلیسا میں سب سے عظیم منزلت رکھتا ہے۔[۲۶]

مرقس:(Mark:st) مرقس بھی حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے ہیں۔ان کا پہلا نام جان تھا۔انجیلِ مرقس (Evangelist) انھیں سے منسوب ہے، جو 65 سے 70 عیسوی کے درمیان لکھی گئی۔[۲۷]

لوقا(Luke:st): عہد نامۂ جدید کی تیسری کتاب سینٹ لوقا نے مرتب کی۔غیر یہودی مؤرخ۔یہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں شامل نہیں۔انجیلِ لوقا کے علاوہ انھوں نے اعمالِ رُسل کے نام سے بھی کتاب مرتب کی[۲۸]

مولانا ظفر علی خان نے ان تینوں شخصیات سے عیسائیت کی جانب اشارہ دیا ہے۔اور پھر قرآن کی درج بالا آیت بیان

کی،جس میں اسلام کی حقانیت واضح ہے۔اس آیت کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

4۔کرداری تلمیحات:

☆ صفحہ صفحہ میں ہیں مانی کی نگار آرائیاں نقطہ نقطہ میرے خامہ کا ہے نقش ارژنگ کا (بہارستان،ص۳۶۴)

مانی:اس شعر میں مشہور ایرانی مصور اور نقاش مانی کی جانب تلمیح ہے۔اس کا اصل نام قوز یقوس تھا۔صاحبِ تاریخِ ادبیاتِ ایران لکھتے ہیں:''مانی اعلیٰ درجے کا مصور تھا۔آج بھی اہلِ ایران کا عام عقیدہ ہے کہ مانی نے ارژنگ یا ارتنگ نام کی ایک کتاب ''التصاویر'' تیار کی تھی اور اس کو وہ اپنی فوق البشر طاقت اور ربانی سفارت کے طور پر پیش کرتا تھا۔''۲۹ غالب کہتے ہیں:

کھینچے گر مانی اندیشہ،چمن کی تصویر سبز،مثلِ خطِ نوخیز ہو، خطِ پرکار

☆ مری آنکھوں میں نقشِ مانی و بہزاد پھرتا ہے مرا مسلک ہے ارژنگی،مرا مشرب ہے پاژندی (نگارستان،ص۶۷)

بہزاد:مانی کی طرح ایران کا مشہور مصور گزرا ہے مکمل نام کمال الدین بہزاد ہے۔"بہزاد کا زمانہ پیدائش ۱۴۵۰ء سے قبل ہے۔۱۵۰۶ء میں اس نے ہرات اکیڈمی کی بنیاد رکھی،صفوی دورِ حکومت میں اسے عروج حاصل ہوا،شاہ اسمٰعیل کے دور میں منتظمِ کتب خانہ کا اعزاز بھی حاصل رہا۔''۳۰ بہزاد کو منظر کشی اور خاکہ نگاری میں کمال حاصل تھا۔بعد ازاں اس کے شاگردوں نے اس کے کام کو وسعت دی۔اور فارس سے لے کر ہندوستان تک اس کا نام ایک عرصے تک شہرت کا حامل رہا۔آج بھی مانی اور بہزاد کے نام اردو شاعری میں خوب صورت نقش گری کے لیے بطور علامت اور تلمیح استعمال ہوتے ہیں۔

۵۔عسکری تلمیحات:

☆ یہ ہرمزان پکارا میں تشنہ ہوں،پہلے بجھاؤ پیاس مری ربِ مہرباں کے لیے (نگارستان،ص۳۰)

ہرمزان:تاریخی،عسکری شخصیت،جنگجو،فاتح وسپہ سالار۔تاریخِ طبری میں لکھا ہے کہ یہ''اہلِ فارس کے سات خاندانوں میں سے ایک خاندان سے تعلق رکھتا تھا،اس کی سلطنت میں مہرجان،قذاق،اہواز،اور خوزستان کے علاقے شامل تھے۔''۳۱ دوسرے خلیفہ راشد کے دور میں لشکرِ اسلامی سے برسرِ پیکار رہا،بالآخر مشرف بہ اسلام ہوا۔ہرمزان اور حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ تاریخِ طبری اور الفاروق میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ جب ہرمزان کو قید کر کے حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے جان کی امان طلب کرتے ہوئے پانی کا سوال کیا اور یہ بات کہی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مجھے قتل نہ کیا جائے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا:"جب تک تم پانی نہ پی لو گے تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔''۳۲ لیکن ہرمزاں نے پانی پینے کے بجائے برتن الٹ دیا۔حضرت عمر اس کے رویے سے سخت متعجب ہوئے لیکن وعدے کے مطابق اسے آزاد کر دیا۔مولانا ظفر علی خان نے اس پورے واقعے کو مکالماتی انداز میں نظم کیا ہے۔

۶۔مذہبی تلمیحات:

☆ نقشِ تہذیبِ ہنود اب بھی نمایاں ہے اگر تو وہ سیتا سے ہے لچھمن سے ہے اور رام سے ہے (بہارستان،ص۳۰۶)

رام:اہلِ ہنود کی مقدس مذہبی شخصیت مکمل نام رام چندر جی ہے۔وشنو کے نو اوتاروں۳۳ میں آپ کا نمبر ساتواں ہے۔اجودھیا کے سورج بنسی راجا وشرتھ 34 کے بڑے بیٹے ہیں۔رام چندر جی کی زندگی اور لنکا کے بادشاہ راون سے ان کی جنگ کا احوال ہندو مذہب کی مشہور ترین کتاب رامائن میں موجود ہے۔رامائن سنسکرت کی عظیم رزمیہ نظموں میں سے ایک ہے، یہ قصّہ اصل سنسکرت زبان میں ہے،لیکن اب تک دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔اس کے مصنف والمیکی 35 ہیں۔پروفیسر بی۔این ورما کے مطابق "اس کتاب میں سات کانڈ یعنی ابواب اور ۲۴۴۰۰ اشلوک ہیں،،۳۶ اس داستان میں رام چندر جی اپنے 14 سالہ بن باس کے دوران اپنے بھائی لکشمن (لچھمن) اور ہنومان کی معیت میں لنکا کے راجا راون سے اپنی بیوی سیتا کی رہائی کے لیے جنگ کرتے ہیں، بالآخر انھیں فتح حاصل ہوتی ہے۔یہ تینوں ہستیاں اہلِ ہنود میں مقدس تصور کی جاتی ہیں۔ہندو مذہب میں اس دن کو باطل پر حق کی فتح تصور کرتے ہوئے دسہرا منایا جاتا ہے۔جو اہلِ ہنود کے نزدیک ایک مقدس دن ہے،ظفر علی خان لکھتے ہیں۔

آج باطل سرنگوں ہے اور حق ہے سربلند فتح سیتا کی ہوئی اور مغلوب راون ہوگیا (حبسیات،ص۱۲۴)

☆ اگر کرشن کی تعلیم عام ہوجائے تو کام فتنہ گروں کا تمام ہوجائے (بہارستان،ص۳۰۱)

کرشن: رام چندر جی کی طرح کرشن بھی اہلِ ہنود کی مقدس مذہبی شخصیت ہیں۔ہندو مذہب میں وشنو کے نو اوتاروں میں سری کرشن کا نام بھی شامل ہے۔آپ وشنو کے آٹھویں اوتار تسلیم کیے جاتے ہیں۔مہاراجہ سری کرشن کی تعلیمات کا مجموعہ ''بھگوت گیتا'' کے نام سے موسوم ہے بھگوت گیتا دراصل بھارت کی مشہور اور طویل ترین نظم مہا بھارت کا ایک جزو ہے۔جس میں پانڈوؤں اور کوروؤں کے مابین ہونے والی جنگ کا احوال بیان کیا گیا ہے۔تاریخِ آئینہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ "اس کتاب کو ملک الشعرا ویدویاس نے بنایا۔۔۔اس میں ایک لاکھ اشلوک ہیں اور اس کے اٹھارہ حصّے ہیں اس کتاب میں پانڈوؤں اور کوروؤں کی لڑائی کا بیان ہے جو پانی پت کے پاس کرکشیتر کے میدان میں ہوئی تھی۔۳۷ اس کتاب کی تاریخِ تصنیف کے متعلق کوئی حتمی رائے موجود نہیں۔رامائن کی طرح مہا بھارت بھی ہندوستان کی عظیم شاہ کار تصانیف میں سے ہے جس میں اہل ہنود کے قدیم تاریخی،تہذیبی اور مذہبی تصورات سے آگاہی ملتی ہے۔اس رزمیہ داستان کا سب سے اہم حصّہ سری کرشن اور مہا بھارت کے ہیرو ارجن کے درمیان ہونے والا مکالمہ ہے جس میں اسے باطل کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنے اور حق وصداقت کا ساتھ دینے کی تلقین کی گئی ہے۔مولانا ظفر علی خان نے مذکورہ شعر میں انھیں تعلیمات کی جانب اشارہ کیا ہے۔

۷۔عصری تلمیحات:

☆ ہے پشتِ سقا پر مشکیزہ استعمارِ مغرب کا یہ ہے وہ ماجرا جس کی شہادت چشمِ دید آئی (بہارستان،ص۱۱۶)

بچہ سقا: بچہ سقا کا اصل نام حبیب اللہ کلاکانی تھا۔والد کے پیشے کے باعث بچہ سقا (son of water carrier) کے نام سے شہرت حاصل کی۔افغانستان کے حکمران امان اللہ خان کی حکومتی پالیسیوں کے خلاف شورشوں اور بغاوت کو بڑھانے میں بچہ سقا نے اہم کردار ادا کیا اور انگریزوں کی معاونت سے کابل پر قابض ہو گیا۔کابل پر بچہ سقا کے قبضے پر ظفر علی خان نے اس واقعے کو یوں بیان کیا:

فتنہ محشر سے نہیں کچھ کم حق میں ہمارے فتنہ یہ حقا مسندِ کابل پر متمکن ہونے لگا ہے بچہ سقا (بہارستان،ص۲۲۹)

قبضے کے بعد اس نے حبیب اللہ خاں المتوکل اللہ کے نام سے اپنی حکومت کا اعلان کیا۔چوں کہ بچہ سقا میں قائدانہ صلاحتیں نہ تھیں۔تخت پر بیٹھنے کے بعد اس نے عوام کو لوٹنے اور تباہی پھیلانے کے سوا کوئی خاطر خواہ کام نہ کیا۔جلد عوام اس کے ظلم وستم سے تنگ آ گئے۔بچہ سقہ کی ریشہ دوانیوں کے خلاف انگریزوں نے جرنیل نادر خان، سردار ہاشم خان اور دیگر اہم شخصیات کے ساتھ ساز باز کی۔نادر خاں کی سرکردگی میں کابل پر حملہ کیا گیا۔اس حملے میں نادر خان کو فتح حاصل ہوئی۔ظفر علی خان نے اس کامیابی کی نوید اس انداز میں سنائی:

درانیوں کی فوج جو میدان میں ڈٹ گئی سقے کی مشک ایک ہی ٹھوکر میں پھٹ گئی (بہارستان،ص۲۳۲)

یوں ۱۹۲۹ء کو بچہ سقا کو بغاوت کے جرم میں اس کے ساتھیوں سمیت پھانسی دے دی گئی۔[۳۸] مولانا نے اس واقعے پر یہ شعر کہا:

فتح نادر خان کو دی اللہ نے بچہ سقا کا آخر قتل ہوا (بہارستان،ص۲۳۷)

☆ لاش مہدی کی جلادی، واہ کیا تہذیب ہے پھر ہوا میں راکھ اڑا دی، واہ کیا تہذیب ہے (حبسیات،ص۱۱۴)

مہدی سوڈانی: سیاسی و مذہبی رہنما، حریت پسند لیڈر، تحریکِ مہدیت کے بانی۔مہدی سوڈانی کا اصل نام "محمد احمد ابنِ سید عبداللہ تھا۔۱۲/اگست ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے۔۲۲/جون ۱۸۸۵ء میں ام درمان میں انتقال ہوا۔"[۳۹] استعماریت اور آمریت کے خلاف برسرِ پیکار رہے ایک خود مختار اسلامی ریاست کے خواہاں تھے، لہٰذا خرطوم میں انگریزوں سے لڑتے ہوئے اپنی علاحدہ ریاست قائم کی۔ان کے انتقال کے بعد جب انگریزوں نے دوبارہ خرطوم پر قبضہ کیا تو اس وقت کے افسر" لارڈ ہربرٹ کچنر (Horatio Herbert Kitchener) نے جذبۂ انتقام کے تحت ان کے مقبرے کو گولا باری سے مسمار کیا اور لاش قبر سے نکال کر جلادی"[۴۰] ظفر علی خان نے اسی واقعے کی طرف نشاندہی کی ہے۔

☆ شہیدانِ وطن کے خونِ ناحق کا جو ست نکلے تو اس کے ذرے ذرے سے بھگت سنگھ اور دت نکلے (بہارستان،ص۱۹۴)

بھگت سنگھ۔بی کے۔دت: مولانا ظفر علی خان نے لاہور کے واقعے کی جانب اشارہ کیا ہے، جب سانڈرس کے قتل اور اسمبلی کے اجلاس میں بم پھینکے جانے کے جرم میں دو نوجوانوں بی کے۔دت اور بھگت سنگھ کو گرفتار کیا گیا۔ان کی گرفتاری کے خلاف لاہور میں شدید ہنگامہ آرائی ہوئی۔ان دونوں واردات کا پس منظر یوں ہے کہ جس وقت ہندوستان میں عدم تعاون بائیکاٹ کی تحریکیں عروج پر تھیں۔"اس وقت سائمن کمیشن 30 اکتوبر 1928ء کو لاہور آنے والا تھا، جسے روکنے کے لیے جلوس نکالے گئے، اس مظاہرے میں لالہ لاجپت رائے پولیس کی مڈبھیڑ میں زخمی ہوئے اور انھیں زخموں کی وجہ سے ۱۷/نومبر ۱۹۲۸ء کو انتقال کر گئے۔"[۴۱] نتیجتاً اس واقعے کے ذمے دار پولیس افسران میں ایک افسر سانڈرس کا قتل کر دیا گیا اور اس قتل کے شبے میں بھگت سنگھ، شیورام، بی کے۔دت، راج گرو اور سکھ دیو کو گرفتار کرلیا گیا سانڈرس کے قتل کے جرم میں انھیں سزائے موت کا حکم جاری کیا گیا۔یہ مقدمہ ہندوستانیوں کے لیے عزت و ناموس کا مسئلہ بن چکا تھا" شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ" گاندھی جی نے اس موقع پر لارڈ اروِن سے گفت و شنید کرتے ہوئے ان نوجوانوں کی سزا کو عمر قید میں بدلنے کی استدعا کی وہ بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کی موت کی سزا عمر قید میں بدلنے پر راضی ہو گیا تھا۔اس کا ذکر گاندھی جی نے کانگریس ورکنگ کمیٹی سے بصیغۂ راز کیا۔۔۔مگر سیتہ پال نے نوجوانوں کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لیے یہ بات لاہور کے جلسے میں کہہ دی۔"[۴۲] نتیجتاً حکومت نے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے کے بجائے" بھگت سنگھ، شیورام، راج گرو اور سکھ دیو کو لاہور سینٹرل جیل میں ۲۳/مارچ ۱۹۳۱ء کو یوم سوموار کو پھانسی دے دی۔"[۴۳] عوامی ردعمل سے بچنے کے لیے انگریزوں نیان کی لاش کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے دریائے ستلج کے کنارے آگ لگا دی[۴۴] ظفر علی خان شعر میں اس واقعے کو یوں بیان کرتے ہیں۔

ہے جن کے دل میں آزادی کی دھن ان نوجوانوں کو	وطن کے عشق کی پاداش میں سولی پہ لٹکانا
بہا دینا کسی کی راکھ کو ستلج کی موجوں میں	کسی کی لاش اٹک کے پار خاک اور خون میں تڑپانا (بہارستان، ص ۳۲۹)

☆ ہوا جس کی ثنا میں تر زباں اس طرح قاآنی	وہ تھا اپنے زمانے میں بلا شک شانِ یزدانی
اسی کے مرقد کو ڈھانے آئیں ہیں واحسرتا روسی	فنا گستر ہے جن کی توپ کے لوگوں کی غلطانی (بہارستان، ص ۱۶۰)

امام علی رضاؑ: مذکورہ تلمیح روضۂ امام علی رضاؑ پر روسی خانہ جنگی سے متعلق ہے۔امام علی رضاؑ ایران کی بزرگ، روحانی و معتبر ہستی ہیں۔مکمل نام "علی بن موسٰی کاظم (۱۱/ذیقعدہ ۱۴۸ھ۔صفر المظفر ۲۰۳ھ) ہے۔آپ خانوادۂ رسالت ﷺ اور آئمہ اطہار میں شامل ہیں۔آٹھویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب رسولِ پاک ﷺ سے جا ملتا ہے۔"[۴۵] مشہد میں آپ کا روضہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔"مارچ ۱۹۱۲ء میں جس وقت محمد علی قاجار (۱۹۲۵ء۔۱۸۷۲ء) کی عوام مخالف پالیسیوں پر عوام کے ردِعمل کو روکنے کے لیے مارشل لاء لگایا گیا۔اس وقت شمالی علاقہ جات پر روس کا قبضہ تھا اور محمد علی قاجار کو روس کی حمایت حاصل تھی، جب کہ عوام اس کی جارحانہ پالیسیوں کے خلاف تھے اور مشروطیت کے خواہاں تھے۔چناں چہ محمد علی قاجار کو معزول کر کے حکومت اس کے کم سن بیٹے احمد شاہ قاجار کو دی گئی، جس میں کوئی قائدانہ صلاحیت نہ تھی، لہٰذا ملک بھر میں اس عمل کے خلاف شدید مظاہرے ہوئے۔روس نے اس انتشار کو کم

کرنے کے لیے خراسان کے مختلف شہروں پر بمباری کی۔''۴۶ جس کی زد میں کئی مقدس و مذہبی مقامات بھی آئے، روسی بمباری سے روضۂ امام علی رضاؑ کو بھی نقصان پہنچا۔ظفر علی خان نے اسی روسی جارحیت کی جانب اشارہ کیا ہے۔

قاآنی: ''میرزا حبیب متخلص بہ قاآنی ۱۲۲۲ھ کے قریب فتح علی شاہ کے عہد میں شیراز میں پیدا ہوا ابتداء میں تخلص حبیب تھا، لیکن جب میرزا حسن علی میرزا شجاع السلطنت (حاکمِ صوبہ خراسان) کے دربار سے وابستہ ہوا تو ان کے حکم پر قاآنی تخلص اختیار کیا۔صائب کے بعد قاآنی صفوی و قاجاری دور کا سب سے بڑا شاعر ہے۔''۴۷ قصیدہ نگاری میں قاآنی کو کمال حاصل تھا۔اپنے عہد کے اکثر امراء اور بادشاہوں کے قصائد لکھے۔مولانا نے اس کی قادرالکلامی کا ذکر کرتے ہوئے ایران کی صاحبِ توقیر ہستی امام علی رضاؑ کی جانب اشارہ کیا ہے۔

☆ راجپال آج عدالت سے ہوا صاف بری شرعِ اسلام کی تذلیل ہوئی جاتی ہے (بہارستان،ص۳۵۷)

مذکورہ تلمیح میں اشارہ ہے شاتمِ رسول ﷺ راجپال کی جانب۔۔راجپال بظاہر ایک کتب فروش تھا، لیکن در پردہ آریہ پرتی ندھی سماج کا ایک فعال رکن تھا، جس کا مقصد مذہبی منافرت کو ہوا دینا تھا۔''۱۸۹۹ء میں شریمتی آریہ پرتی ندھی سبھا نے "ستیارتھ پرکاش" نامی کتاب چھاپی''۴۸ اس کتاب کی اشاعت سے مسلمانوں میں اشتعال انگیز جذبات پیدا ہوئے۔اس سوچی سمجھی سازش کے بعد راجپال نے اگلا قدم اٹھاتے ہوئے ایک کتاب ''رنگیلا رسول''۴۹ شائع کی۔اس کتاب کی اشاعت کا واضح مقصد مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانا تھا۔مسلم اکابرین نے اس پر شدید احتجاج کرتے ہوئے راجپال کو سزا دینے کی اپیل کی۔''۱۵۳/الف کے تحت راجپال پر فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا۔مسٹر لوئیس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے راجپال کو چھ ماہ قید کی سزا دی مگر اس نے فیصلے کیخلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی۔۔۔چیف جسٹس سر شادی لال کی ذاتی سفارش پر جسٹس کنور دلیپ سنگھ مسیح نے ملزم کو رہا کر دیا۔''۵۰ جس کے جواب میں ۱۹۲۷ء میں لاہور بھر میں احتجاجی جلوس نکالے گئے، مولانا ظفر علی نے زمیندار میں میں ان جلسوں کی روداد بیان کی ہے۔بیان کیا گیا شعر بھی اسی واقعے سے متعلق ہے۔

☆ سنتے ہیں سرکشن کی کماں اب اتر گئی معزول ہو گئے ہیں وزارت کے کام سے (بہارستان،ص۴۷۷)

کشن پرشاد: اصل نام پرشوتم داس مہاراجہ کشن پرشاد (۲۸ فروری ۱۸۶۴ء/ ۹ مئی ۱۹۴۰ء) تھا۔مہاراجہ نریندر پرشاد (نانا) نیکشن کے نام سے پکارا۔بعد میں یہی نام ان کی پہچان بنا۔کھتری خاندان کے فرد اور محبوب علی خان کے منظورِ نظر تھے۔ان کے عہد میں صدر المہام اور وزیرِ افواج کے عہدے پر فائز رہے۔۱۹۰۱ء میں انھیں دفترِ صدرِ ریاست کے وزیر (مدار المہام) کے عہدے پر فائز کیا گیا۔۱۹۱۲ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔۱۹۱۲ء میں حالات کی سنگینی کے باعث انھیں اپنے عہدے سے مستعفی ہونا پڑا۔عہدِ وزارت میں انھیں راجا بہادر، یمین السلطنت، بھارت بھوشن جیسے خطابات و اعزازات سے نوازا گیا۔۵۱ مولانا نے شعر میں اسی جانب اشارہ دیا ہے

☆ قاصد احرار کا چنیوٹ گیا خط لے کر کاغذِ سرخ پہ اس خط کی رسید آتی ہے

کچھ بھی ڈر ملتِ بیضا کو فنا کا نہ رہا لے کے پیغامِ بقا نعشِ شہید آتی ہے (بہارستان،ص۱۷)

الٰہی بخش شہید: مکمل نام شیخ الٰہی بخش (۱۹۰۰ء/ یکم نومبر ۱۹۳۱ء) تھا۔ مجلسِ احرار چنیوٹ کے رکن اور حریت پسند لیڈر تھے۔۱۹۳۱ء میں مولانا مظہر علی اظہر کی سربراہی میں کشمیر کی آزادی کے لیے اس وقت کے مہاراجہ کشمیر کے خلاف ایک غیر آئینی تحریک کا آغاز کیا گیا۔ پنجاب کے اطراف سے کئی شخصیات اس تحریک کا حصّہ بننے کے لیے جہلم روانہ ہوئیں۔ چنیوٹ سے ایک قافلہ جس کی قیادت الٰہی بخش کر رہے تھے دریائے جہلم عبور کر کے جب دریا کی دوسری جانب پہنچا تو وہاں تعنیات ریاستی پولیس کے دستے جس کی قیادت پنڈت وشوامتر کورٹ انسپکٹر کر رہے تھے ان پر وار کیا''۵۲ جس سے الٰہی بخش نے وہیں جامِ شہادت نوش کیا۔ زمیندار نے پہلے صفحے پر اس خبر کو یوں شائع کیا''کورٹ انسپکٹر نے ان پر سنگین سے حملہ کر کے شہید کر دیا''۵۳ جانباز مرزا لکھتے ہیں کہ غیر کشمیری مسلمان کا کشمیر کی سرزمین پر یہ پہلا خون تھا۔ روزنامہ انقلاب اور زمیندار نے ان کی شہادت کی خبر کو جلی حروف میں شائع کیا۔ ان کی جسدِ خاکی کے لاہور آمد پر مولانا نے زمیندار (۳رنومبر ۱۹۳۱ء) میں اس واقعہ پر یہ نظم تحریر کی۔

۸۔ سیاسی تلمیحات:

☆ یہ صورت تھی ہماری، خواہ مسلم خواہ ہندو تھے یہ حالت تھی جنابِ جارج پنجم کی رعایا کی (بہارستان،ص۱۵۶)

جارج پنجم: ((George Frederick Ernest Albert)):''ایڈورڈ ہفتم کے فرزند ثانی اور ونسٹر خاندان کے فرد جارج پنجم کا مکمل نام جارج فریڈرک ارنسٹ البرٹ تھا۔۳رجون ۱۸۶۵ء میں برطانیہ میں پیدا ہوئے۔ جارج پنجم برطانوی دولتِ مشترکہ کے اہم فرماں رواں اور شہنشاہِ ہندوستاں کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ایڈورڈ ہفتم کے بڑے بیٹے اور ولی عہد سلطنت البرٹ وکٹر کی ناگہانی موت کے بعد جارج پنجم ۱۸۹۲ء میں ولی عہد بنے۔ ولی عہد کی حیثیت سے ۱۹۰۵ء میں پہلی بار ہندوستاں آئے۔ شہنشاہٗ ایڈرورڈ ہفتم کے انتقال کے بعد جارج پنجم جون ۱۹۱۱ء کو شہنشاہٗ برطانیہ کی حیثیت سے تختِ شاہی پر متمکن ہوئے۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ہندوستان میں ان کی تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی۔ جس میں ہندوستان بھر سے نوابین، مشاہیر اور ریاست کے حکمرانوں نے شرکت کی۔ جارج پنجم کا زمانہ بادشاہت ۲۵ سال رہا۔ انھوں نے ۱۹۳۶ء کو ۷۰ سال کی عمر میں برطانیہ میں انتقال کیا۔''۵۴ ان کے عہد میں جب مارشل لا لگانے کے بعد ہندوستانیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ ظفر علی خاں نے ان حالات کی جانب اشارہ کیا ہے۔

☆ زار سے چھنوا دیا قسمت نے اس کا تخت و تاج کیوں کہ قسمت کا نہیں دنیا میں کچھ بھی اعتبار (ارمغانِ قادیاں،ص۲۹)

شہنشاہ نکولس دوّم (Nicholas II)، عظیم روسی شہنشاہیت کا آخری فرماں رواں۔ "زار نکولس دوّم نکولس اوّل کا پوتا اور الیگزینڈر سوّم کا بیٹا تھا۔ 1868ء میں پشکن روس میں پیدا ہوا۔''۵۵ زار روس کے عہد میں سوویت یونین کے حالات انتشار کا شکار ہو چکے تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے باعث داخلی و خارجی پالیسی بری طرح ناکام ہو چکی تھی۔ اس جنگ میں ہونے والے شدید جانی و مالی نقصان

کے بعد انقلابیوں نے "۱۵/ مارچ 1917ء کو زار نکولس کا تختہ الٹ کر اسے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ روس مکمل طور پر سوشلسٹ انقلاب سے دوچار ہوا اور ولادی میر لینن کی سربراہی میں روس میں کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی"۵۶ ظفر علی خان کا اسی انقلاب کی جانب اشارہ ہے۔

☆ مسوری میں طرزی کا آنا مبارک حضوری میں بندی کا گانا مبارک (بہارستان،ص۲۷۴)

جب"انگریز اور افغانوں میں صلح ہوئی تو کابل سے سید محمود طرزی۵۷ ایک وفد لے کر معاہدہ صلح کے سلسلے میں ہندوستان آئے۔ حکومت نے ارکانِ وفد کو سیوائے ہوٹل مسوری میں ٹھہرایا"۵۸ ان کی خاطر مدارات کے لیے دیگر انتظامات کے ساتھ رقص وسرود کی محفل کا انعقاد بھی کیا گیا تھا۔ اس واقعے پر ظفر علی خان نے ایک نظم "سیوائے ہوٹل مسوری میں طبلے کی تھاپ پر" لکھی۔ انھی دنوں جواہر لال نہرو بھی وہیں قیام پذیر تھے۔ حکومت نے کچھ خدشات کے پیشِ نظر جواہر لال نہرو کو ہوٹل سے منتقل کرنے کی کوشش کی مولانا نے اس بات کو یوں بیان کیا:

جواہر لال نہرو لکھنؤ سے چل کے آیا ہے امان اللہ خاں کے نام کچھ پیغام لایا ہے
پٹھانوں اور انگریزوں میں ڈلوانے کی کھنڈت ہے دبو چا چاہیے اس کو بڑا بے ڈھب یہ پنڈت ہے
کسی ڈھب سے اسے سیوائے ہوٹل سے نکلوادو نہ نکلے گر تو ٹوپی اس کی بٹلر سے اچھلوادو (بہارستان،ص۲۷۳)

اس لطیف تلمیح کو ظفر علی خان نے نہایت اہتمام کے ساتھ ڈرامائی صورت دی ہے۔

☆ رائیگاں جا نہیں سکتا کبھی خونِ شہدا رنگ لائے گا فلسطیں کے مسلمان کا خون
آپ کہتے ہیں لہو ہے یہ گنہگاروں کا ہم اسے سمجھے ہیں بلفور کے اعلان کا خون (نگارستان،ص۲۱)

آرتھر جیمس بلفور (Arther James balfour): برطانوی وزیر اعظم، وزیر امورِ خارجہ، سیاست دان، مدبر امورِ سلطنت۔ لارڈ بلفور (۲۵/ جولائی ۱۸۴۸ء/ ۱۹/ مارچ ۱۹۳۰ء) جس وقت برطانیہ کی وزیر امورِ خارجہ (۱۹۱۶ء۔۱۹۱۹ء) کے عہدے پر فائز تھے، انھوں نے نومبر ۱۹۱۷ء میں ایک اعلان نامہ جاری کیا۵۹ جس میں واضح الفاظ میں میں کہا گیا تھا کہ یہودیوں کی مدد کی جائے تاکہ وہ فلسطین میں اپنا ملک قائم کر سکیں۔"صیہونی ریاست کے قیام کی تحریک کا آغاز ۱۸۹۷ء میں بیل (سوئزلینڈ) میں منعقدہ پہلی صیہونی کانفرنس میں ہوا۔۶۰ اس تحریک نے برطانوی حمایت کے ساتھ پہلی جنگِ عظیم کے بعد زیادہ تقویت حاصل کی اور دوسری جنگِ عظیم تک صیہونی تحریک مکمل طور پر اپنا اثر ورسوخ فلسطین پر قائم کر چکی تھی۔

مولانا ظفر علی خان نے اس شعر میں مسلمانوں کے خلاف صیہونی اور عیسائی سازش کی جانب اشارہ کیا ہے۔

☆ گئو ماتا کی آنکھیں لگ رہی تھیں جس پہ مدت سے چلا لندن سے لنلتھ گاؤ اور وہ سانڈ لے پہنچا (چمنستان ص۱۸)

الیگزینڈر جان ہوپ لنلتھ گاؤ (Linlithgow,victor Alexander John Hope): اشارہ ہے، جب لارڈ لنلتھ گاؤ نے ۱۹۳۶ء میں وائسرائے ہند کا عہدہ سنبھالا۔ اس سے قبل ۳۴۔۱۹۳۳ء میں لنلتھ گاؤ نے مقنّنہ میں ہندوستانی آئینی اصلاحات کے

لیے بنائی گئی انجمن کی سربراہی بھی کی، اس انجمن کے تجویز کردہ منصوبہ جات کو بعد میں انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے طور پر پیش کیا گیا۔٦١ بحیثیت وائسرئے ہند انھوں نے انڈیا میں جو اعلانات اور فیصلے صادر کیے برطانوی حکومت نے ۱۹۴۵ء میں speeches and statements by the marques of linlithgow کے عنوان سے انھیں شائع کیا۔٦٢

لنلتھ گاؤ گائے اور بیل پالنے کے شوقین تھے۔ ہندو دھرم میں گائے چوں کہ ایک مقدس ہستی کی علامت کے طور پر لی جاتی ہے اس لیے کانگریس اور ہندو سبھا کی حمایت بھی انھیں حاصل رہی، یہاں مولانا نے گاؤ (گائے) کی لفظی تشبیہ سے کانگریس پر ایک لطیف طنز کیا ہے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

لارڈ لنلتھ گاؤ نے پالے ہیں چھ صوبوں میں بیل کانگریس ان سب کے سینگوں کی سنگوٹی ہوگئی (چمنستان ص ۸۸)

☆ عبد العزیز کرد پہ ایوبیوں کو فخر عبدالصمد کی ذات پہ نازاں اچکزئی (نگارستان، ص ۱۳۳)

درج بالا شعر میں ظفر علی خان نے بلوچستان کی دو نام ور شخصیات کی جانب اشارہ کیا ہے۔

عبدالعزیز کرد: عبدالعزیز کرد جدید بلوچ سیاست کے روح رواں اور شہری سیاست کے قافلہ سالار تھے۔ ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بھی ایک نیم سیاسی شخصیت تھے''۔ ۱۹۲۰ء میں عبدالعزیز کرد نے ''ینگ بلوچ'' کے نام سے اپنی تنظیم قائم کی۔ اس تنظیم کا مقصد بلوچوں کے بنیادی حقوق کے لیے آواز اٹھانا تھا۔ جس وقت حکومتِ برطانیہ کی ایماء پر شمس شاہ کو قلات کا وزیرِ اعظم نامزد کیا گیا تو اس کے جبر اور ظلم کے خلاف بلوچستان میں زبردست مزاحمتی تحریکیں چلیں۔ عبدالعزیز کرد نے یوسف علی مگسی کے ساتھ مل کر کئی مضامین لکھے اور پمفلٹ نکالے۔ حکومتِ برطانیہ کے خلاف کلمۂ حق بلند کرنے اور اشتعال انگیز مضامین لکھنے کے جرم میں انھیں تین سال قید کی سزا سنائی گئی۔ قید سے رہائی کے بعد بھی عبدالعزیز آزادیِ وطن کے لیے کوشاں رہے۔ ۱۵/ اپریل ۱۹۶۹ء کو عبدالعزیز کرد نے دارِ فانی سے کوچ کیا۔٦٣

عبدالصمد اچکزئی: عبدالصمد اچکزئی بھی بلوچستان کی اہم سیاسی شخصیت تھے، اپنی سوانح حیات میں اپنی پیدائش ۷/ جولائی ۱۹۰۷ء بتاتے ہیں۔ ۱۹۲۹ء میں جب ہر طرف سیاست کا بازار گرم تھا انھوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا۔ حکومت نے ان کی سرگرمیوں کے پیشِ نظر ۱۹۲۹ء میں انھیں گرفتار کر لیا۔ ۱۹۳۴ء میں انھیں اشتعال انگیز تقاریر کرنے کی پاداش میں جرگہ نظام کے تحت ۵ سال قید کی سزا سنائی گئی۔ بالآخر ان کی انتھک کوششوں سے ۱۹۳۸ء میں انجمنِ وطن کے نام سے یہ پارٹی بن گئی۔ عبدالصمد کی پوری زندگی سیاست اور قید و بند کی صعوبتوں میں گزری۔ اس فرزندِ بلوچستان کو ۱۹۷۳ء میں شہید کر دیا گیا۔٦٤

مولانا ظفر علی خان نے ان دونوں شخصیات کی سیاسی و ملّی خدمات کا اعتراف درج بالا شعر میں کیا ہے۔

ماحصل:

شاعری کی یہ خاصیت ہے کہ وہ روایات کے ساتھ چلتی ہے اور ہمیشہ نئے امکانات اور بدلتی ہوئی صورتِ حال پر نظر رکھتی

ہے۔اس تناظر میں اگر مولانا کی شاعری کا تجزیہ کیا جائے تو ان کی شاعری اس کسوٹی پر پورا اترتی ہے۔ظفر علی خان نے جس طرح قومی، ملّی وسیاسی دھارے کے ساتھ اپنی شاعری کو پروان چڑھایا ہے، وہ نصف صدی کی جامع تاریخ ہے۔ان کی شاعری بذاتِ خود ایک انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے جس میں واقعات، تلمیحات، اصطلاحات تشبیہات وعلامات کا ایک خزانہ موجود ہے۔واقعات چاہے قومی ہوں یا بین الاقوامی ان کے قلم کی زد سے نہیں بچ سکے۔مولانا کے کلام میں تلمیحات کے تحقیقی جائزے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں ہر عہد کی تلمیحات موجود ہیں۔بالخصوص عصری حالات و واقعات کا بیان ان کی فکری جہت کا ثبوت ہے۔بدیہہ گوئی کے باوجود ان کا بیشتر کلام حقیقی تاریخ سے پر ہے۔جس طرح انھوں نے اپنے عہد کی شخصیات کو توصیف وتنقیص کا نشانہ بنایا ہے۔اس نے ان کی قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ ان شخصیات کے خفی وجلی پہلو کو بھی نمایاں کیا ہے۔تلمیحات کی صورت میں یہ واقعات وشخصیات ہمارے لیے تاریخی آگاہی کا ذریعہ بن گئے ہیں۔

مولانا چوں کے سرسید، شبلی نعمانی اور محسن الملک جیسی جیّد شخصیات کے دامنِ تربیت سے وابستہ رہے اس وجہ سے ان کی شخصیت میں سیمابی کشش اور فولادی عزم کا پروان چڑھنا لازمی تھا۔ان کی طبیعت کی یہی گھما گھمی ان کی شاعری میں حریّتِ فکر کا جواز ثابت ہوئی۔مولانا ظفر علی خان کے بارے میں علامہ اقبال کے یہ الفاظ کہ ''مصطفٰی کمال نے ترکوں کو جگانے کے لیے جو کام کیا۔ ظفر علی خان کے قلم نے وہی کام ہندوستان کے مسلمانوں کو جگانے کے لیے کیا''، مولانا کی سیمابی شخصیت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔

الغرض مولانا کے کلام میں جو کثیر المعانی جہتیں ہیں ان کی وضاحت تب ہی ممکن ہے جب بیسویں صدی کی تاریخ کے تناظر میں ان کے کلام کا تجزیہ کیا جائے۔اس طرح نہ صرف بیسویں صدی کی تاریخ کو محفوظ کیا جا سکتا ہے بلکہ مولانا کے کلام کی ہمہ گیریت بھی مزید واضح ہوگی۔

حواشی وتعلیقات:

۱۔ ''لغت المنجد''، مرتبہ لوئیس معلوف، ترجمہ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، ۲۰۰۹ء، لاہور، ص ۸۰۳۔

۲۔ مولوی سید تصدق حسین، رضوی، ''لغات کشوری''، دار الاشاعت، ۱۹۵۲ء، کراچی، ص ۱۱۰۔

۳۔ ''فرہنگِ نویسی (ناظم الاطبا)''، تالیف، ڈاکٹر علی اکبر نفیسی، کتاب فروشی، ۱۹۷۷ء، تہران، ص ۹۵۹۔

۴۔ ''مہذب اللغات''، جلد سوّم، مرتبہ: محمد مرزا مہذب لکھنوی، نظامی پریس، ۱۹۷۸ء، لکھنو، ص ۲۹۶۔

۵۔ ''جامع اللغات''، مرتبہ خواجہ عبدالمجید، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۶۶۷۔

۶۔ ''لغت نامہ دہخدا''، جلد پنجم، ڈاکٹر محمد معین وڈاکٹر سید جعفر شہیدی، دانش گاہ، جدید اشاعتِ دوم ۱۹۹۸ء تہران، ص ۶۹۴۷۔

۷۔ ''اردو لغت (تاریخی اصولوں پر)''، جلد پنجم، اردو لغت بورڈ، کراچی، ص ۴۹۰۔

۸۔ ''لغاتِ کشوری''، ص ۱۱۰۔

۹۔ عابد علی عابد،''البدیع''،سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء،لاہور،ص۲۳۴۔

۱۰۔ محمود نیازی،''خزانۂ تلمیحات''،ملک ڈپو اردو بازار،۱۹۶۴ء،لاہور،ص۱۵۔

۱۱۔ پروفیسر وحیدالدین سلیم پانی پتی،''افاداتِ سلیم''،عزیز احمد منشی حمید پریس،سن ندارد،ص۱۰۱۔

۱۲۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ،''غزل اور ہندوستانی ذہن وتہذیب''،قومی کونسل برائے فروغِ زبانِ اردو،۲۰۰۲ء،دہلی،ص۲۹۸۔

۱۳۔ ظفر علی خان کے سنِ پیدائش کے حوالے سے متعدد مقالہ جات،تصانیف وتالیفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی اپنی تصنیف''مولانا ظفر علی خان۔احوال وآثار'' میں مولانا کا سنِ پیدائش ۱۷/جنوری ۱۸۷۴ء لکھتے ہیں۔ڈاکٹر منیر عامر نے کلیاتِ نثر۔ظفر علی خان میں ان کا سنِ پیدائش ۲۷/ذی القعدہ ۱۲۹۰ھ/۱۸/جنوری ۱۸۷۳ء تحریر کیا ہے۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے''مولانا ظفر علی خاں حیات۔خدمات وآثار'' میں ۱۲۹۰ھ بمطابق ۱۸۷۳ء بیان کیا ہے،درج بالا سنین کے مطابق اگر ہجری تاریخ کو عیسوی میں تبدیل کیا جائے تو مادّہ تاریخ ۱۶/۱۷(ایک دن کا فرق اگر نکال دیں) جنوری ۱۸۷۴ء نکلتا ہے۔ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے بھی یہی تاریخ بیان کی ہے۔

۱۴۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ آکسن سے مراد مولانا محمد علی ہیں،کیوں کہ وہ آکسفورڈ کے بی۔اے تھے،اور یہاں کے گریجویٹ اپنے نام کے آگے آکسن (oxen) لکھتے تھے۔

۱۵۔ یہ نظم حیدرآباد دکن میں آنے والے تباہ کن سیلاب پر لکھی گئی۔ظفر علی خان کے زمانۂ قیامِ دکن کے دوران موسیٰ ندی میں ستمبر ۱۹۰۸ء کو قیامت خیز سیلاب آیا۔جس میں وسیع پیمانے پر ہلاکتیں ہوئیں،اسی سے متاثر ہو کر انھوں نے طویل نظم''شورِ محشر'' تحریر کی۔جو رسالہ دکن ریویو میں شائع ہوئی،اب ناپید ہے۔

۱۶۔ سروجنی نائیڈو،شاعرہ،سماجی کارکن اور سیاسی رہنما۔

۱۷۔ Vyacheslar motolof روسی سیاست دان،وزیرِ خارجہ اور روس کے وزیرِاعظم۔روسی کمیونسٹ پارٹی کے رکن بھی رہے۔سویت۔جرمن تنازعات کے بعد جب دیگر اتحادی ملکوں کے ساتھ معاملات طے کیے،اسی جانب تلمیح۔

۱۸۔ فلسفۂ اشراق،الاشراق یا حکمت المشرقیہ یا حکمۃ الاشراق ایک روحانی فلسفہ ہے۔جس میں علم کا نظریہ متصوفانہ ہے۔اس فلسفے کے تحت خدا ایک نور ہے۔اور عالمِ ارواح کو مہبط الانوار قرار دیا گیا ہے۔اور ہمارے علم کو وہ نور جو اُس عالم سے عقولِ افلاک کے ذریعے ہم پر اترتا ہے۔مزید دیکھیے اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ۔جلد۲۔

۱۹۔ ''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ''،جلد۱۱،دانش گاہ پنجاب،۱۹۷۵ء،لاہور،ص۴۶۹۔

۲۰۔ ایضاً،جلد۱،ص۳۹۲۔

۲۱۔ پروفیسر ایڈورڈ براؤن،''تاریخ ادبیاتِ ایران''،(ترجمہ:سید سجاد حسین)،انجمنِ ترقی اردو،۱۹۳۲ء،اورنگ آباد دکن،ص۱۹۶۔

۲۲۔ لفظ ضحاک کے متعلق طبقاتِ ناصری میں تحریر ہے کہ یہ لفظ دہاک یا"دہ آک" تھا۔عربوں نے اسے ضحاک لکھا۔۔۔یہ لفظ دھاکہ دہاکو اوراژی دھاکہ بھی لکھا گیا ہے۔قدیم فارسی میں یہ دہاک اور اس کا معرب ضحاک ہے۔مزید دیکھیے طبقاتِ ناصری (جلد دوم)،منہاج سراج،ص۳۶۲۔

۲۳۔ ''اردو جامع انسائیکلوپیڈیا''،جلد۲،جسٹس ایس اے رحمان،شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۸۷ء،لاہور،ص۱۳۷۷۔

۲۴۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا''،جلد۱۵،ولیم بین ٹین پبلشرز،اشاعتِ اول ۱۷۶۸ء،لندن۔۶۴۳۔

۲۵۔ محمد قاسم فرشتہ،''تاریخِ فرشتہ''،جلد۱،ترجمہ:مولوی محمد فدا علی،دارالطبع جامعہ عثمانیہ،۱۹۲۶ء،حیدرآباد دکن،ص۲۱۳۔۲۱۴۔

۲۶۔ ''اردو جامع انسائیکلوپیڈیا'' جلد ا،ص ۳۳۳۔

۲۷۔ ایضاً، جلد۲،ص ۱۵۳۶۔

۲۸۔ ایضاً، جلد۲،ص ۱۳۳۶۔

۲۹۔ پروفیسر ایڈرورڈ براؤن، ''تاریخِ ادبیاتِ ایران''، (ترجمہ: سید سجاد حسین) ص ۲۹۳۔

۳۰۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا''، جلد ۱۷، ولیم بین ٹین پبلشرز، اشاعتِ اول ۱۷۶۸ء، لندن۔ص ۶۴۸۔

۳۱۔ علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری ''تاریخِ طبری''، جلد۳، ترجمہ: مولانا محمد اصغر مغل، دارالاشاعت ۲۰۰۳ء، کراچی ص ۹۲۔

۳۲۔ ایضاً ص ۱۰۷۔

۳۳۔ ان نو اوتاروں کے نام یہ ہیں، مچھ، کچھ، ورہ، نرسنگھ، پرشورام، وامن، رام، کرشن اور بدھ۔

۳۴۔ تاریخ میں جسرتھ یا دسرتھ نام بھی ملتا ہے۔

۳۵۔ رشی والمیکی کے ترجمے کے علاوہ اس رزمیے کا دنیا کی کئی بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔تلسی داس کی رامائن بھی سنسکرت میں شہرت کی حامل ہے۔ڈاکٹر رخسانہ صبا، ان دونوں رزمیوں کے فرق کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ والمیکی اور تلسی داس کی راماین میں اصل فرق رام چندر جی کی حیثیت کا ہے۔اوّ الذکر میں اسے عظیم انسان جب کہ آخر الذکر میں اسے وشنو کا اوتار بنا کر پیش کیا گیا ہے۔(مضمون: عالمی ادب کی چند طویل نظمیں ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، مشمولہ شش ماہی اردو، جلد ۹۴، شمارہ جنوری تا جون، ۲۰۱۸ء)۔

۳۶۔ پروفیسر بی۔این ورما ''آئینہ تاریخ''، حصہ اوّل، رام پرشاد برادر، ۱۹۳۳ء، آگرہ ص ۱۹۔

۳۷۔ ایضاً ص ۲۳۔

۳۸۔ عبدالوحید، ''عالمی شخصیات (انسائیکلوپیڈیا)''، مشتاق بک کارنر، ۲۰۱۴ء، لاہور ص ۱۶۳۔۱۶۴۔

۳۹۔ www.britanica.com//:http

۴۰۔ cgi.bin.lfg.cgi/ findagrave.com

۴۱۔ دیا کش گنجور، ''بھگت سنگھ''، دیا کش گنجور پبلی شر لکھنؤ آرٹ پریس، ۱۹۳۸ء، لکھنؤ ص ۳۹۔

۴۲۔ شورش کاشمیری، ''ظفر علی خان''، مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ، ۱۹۵۷ء، لاہور ص ۳۶۔

۴۳۔ دیا کش گنجور، ''بھگت سنگھ''، دیا کش گنجور پبلی شر لکھنؤ آرٹ پریس، ۱۹۳۸ء، لکھنؤ ص ۸۸۔

۴۴۔ ''اردو جامع انسائیکلوپیڈیا''، جلد اوّل، ۱۹۸۷ء، ص ۲۸۰۔

۴۵۔ سید محمد تقی واردی، خاندانِ عصمت، ترجمہ: صادق عباس، انصاریان پبلیکشنز، ۱۹۹۸ء، قم ایران ص ۱۹۹۔۲۰۰۔

۴۶۔ سید مسعود، سید بنکدار، ''بروسی علل بہ پیامدتہاجم روسیہ بہ حرم مطہر امام رضاؒ در سال ۱۳۳۰ق/۱۹۱۲ء بر اسنادِ نویافتہ'' مشمولہ: فصل نامہ علمی پژوھش نامہ تاریخ اسلام، سال ششم، شمارہ ۲۳، ایران، ۲۰۱۷ء، ص ۹۳۔۹۴۔

مزید دیکھیے: ایران در دورۂ سلطنتِ قاجار، تالیف: علی اصغر شمیم، پبلیشر بہزاد، ایران ۱۳۸۹ھ/ ۲۰۱۱ء۔

۴۷۔ رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران ترجمہ: سید مبارز الدین رفعت، ندوۃ المصنفین، ۱۹۷۹ء، دہلی ص ۴۸۵۔

۴۸۔ رحمٰن مذنب، مضمون: غازی علم الدین شہید، مشمولہ: شہیدانِ ناموسِ رسالت، محمد متین خالد (مرتب)، فاتح پبلی شر، س ن، لاہور، ص 26۔

۴۹۔ اس کتاب کے مصنف کے متعلق دو رائے ہیں۔بعض کتب میں اس کے مصنف پروفیسر پنڈت چمپوپتی لال بیان کیے جاتے ہیں اور بعض کتب میں مہاشہ کرشن۔محمد ابراہیم شاہ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب مہاشہ کرشن ایڈیٹر پرتاب نے لاہور سے شائع کی،لیکن مسلمانوں کے غم وغصے سے بچنے کے لیے پروفیسر پنڈٹ چمپوتی لال ایم۔اے کا فرضی نام بطور مصنف تحریر کر دیا۔

۵۰۔ محمد ابراہیم شاہ،''مضمون:غازی علم الدین شہید''مشمولہ:شہیدانِ ناموسِ رسالت،محمد متین خالد(مرتب)،فاتح پبلی شر،س ن،لاہور،ص ۵۵۔

۵۱۔ محمد عبداللہ،قریشی(مرتب)''اقبال بنام پرشاد''،بزم اقبال،کلب روڈ،لاہور،۱۹۸۶ء،ص ۴۔۷۔

۵۲۔ جانباز مرزا،''کاروانِ احرار''،جلد۱،تبصرہ،لاہور،۱۹۷۵ء،ص ۲۰۹۔

۵۳۔ مولانا ظفر علی خان،''روز نامہ زمیندار''،جلد۱۸،۳/نومبر ۱۹۳۱ء،ص ۱۔

۵۴۔ ایم فیروز الدین،''یادگارِ شہنشاہِ جارج پنجم''،فیروز سنز،سن ندارد،لاہور،ص ۱۳۷۔۱۴۹۔

۵۵۔ عبدالوحید،''عالمی شخصیات(انسائیکلوپیڈیا)''،۲۰۱۴ء لاہور،ص ۹۲۴۔

۵۶۔ ایضاً۔ص ۹۲۵۔

۵۷۔ وزیرِ امورِ خارجہ افغانستان،۱۹۱۹ء،اور ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۷ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔

۵۸۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار،''ظفر علی خان کے ادبی معرکے''،مشمولہ:نقوش ادبی معرکہ نمبر،۱۹۸۱ء،لاہور،ص ۴۴۴۔

۵۹۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا''،جلد۳،ولیم بین،ٹین پلشرز،اشاعت اوّل،لندن ۱۷۶۸ء،ص ۱۔

۶۰۔ ''جامع اردو انسائیکلوپیڈیا''،جد۸،قومی کونسل برائے فروغ،اردو زبان،دہلی،۲۰۱۵ء،ص ۳۰۶۔

۶۱۔ http://www.history.com

۶۲۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا''،جلد۱۴،ولیم بین،ٹین پلشرز،اشاعت اوّل،لندن ۱۷۶۸ء،ص ۸۰۔

۶۳۔ شاہ محمد مری،''عبدالعزیز کرد''،سنگت اکیڈمی،۲۰۱۶ء،کوئٹہ ۲۷۔۲۸۔

۶۴۔ ایضاً،ص،۴۸۔۷۰۔

فہرستِ اسنادِ محوّلہ:

۱۔ انشاء،خان،انشاءاللہ،مرتبہ،خلیل الرحمٰن داؤدی:۱۹۶۹ء،''کلیاتِ انشاء''،جلد اوّل،،مجلس ترقی ادب،لاہور۔

۲۔ ایڈورڈ براؤن،پروفیسر،ترجمہ،سید سجاد حسین:۱۹۳۲ء،''تاریخِ ادبیاتِ ایران''،)،انجمنِ ترقی اردو،اورنگ آباد دکن۔

۳۔ حاتم،ظہور الدین شیخ،تدوین،غلام حسین ذوالفقار:۱۹۷۵ء،''دیوان زادہ''،مکتبۂ خیابانِ ادب،لاہور۔

۴۔ حالی،حسین،الطاف:۲۰۰۱ء۔''دیوانِ حالی''،خزینہ علم و ادب،لاہور۔

۵۔ ________:۱۹۶۰ء،''کلیاتِ حالی''،جدید کتاب گھر،دہلی۔

۶۔ خالد،محمد متین،مرتب:س ن،''شہیدانِ ناموسِ رسالت''،فاتح پبلی شر،لاہور۔

۷۔ ذوق،محمد ابراہیم،دہلوی۔مرتبہ:محمد حسین آزاد دہلوی:۲۰۱۲ء،''کلیاتِ ذوق''،عبداللہ اکیڈمی،لاہور۔

۸۔ سراج،منہاج،ترجمہ:غلام رسول مہر،:۱۹۷۵ء،''طبقاتِ ناصری''،جلد اوّل،اردو سائنس بورڈ،لاہور

۹۔ چشتی،یوسف سلیم،پروفیسر:۱۹۶۹ء،''تلمیحاتِ اکبر الہ آبادی و شرح مشکلاتِ اکبر''،عشرت پبلشنگ ہاؤس،لاہور۔

۱۰۔ سلیم، وحید الدین، پانی پتی، مرتبہ: ڈاکٹر شمس الدین صدیقی: س ن ’’افاداتِ سلیم‘‘، عزیز احمد منشی حمید پریس۔

۱۱۔ سودا، مرزا رفیع: ۱۹۷۳ء، ’’کلیاتِ سودا‘‘، جلد اوّل، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۱۲۔ شفق، رضا زادہ، ترجمہ: سید مبارز الدین رفعت: ۱۹۷۹ء، ’’تاریخ ادبیاتِ ایران‘‘، ندوۃ المصنفین، دہلی۔

۱۳۔ شورش کاشمیری، عبدالکریم: ۱۹۵۷ء، ’’ظفر علی خان‘‘، مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ، لاہور۔

۱۴۔ طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، علامہ، ترجمہ: مولانا محمد اصغر مغل: ۲۰۰۳ء، ’’تاریخ طبری‘‘، جلد سوم،، دارالاشاعت، کراچی۔

۱۵۔ خان، ظفر علی، مولانا، ترتیب: زاہد علی خان: ۱۹۷۵ء، ’’کلیاتِ ظفر علی خان‘‘، الفیصل پبلشرز، لاہور۔

۱۶۔ عابد علی عابد: ۲۰۱۱ء، ’’البدیع‘‘، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور۔

۱۷۔ فیروز الدین، ایم: سن ندارد، ’’یادگارِ شہنشاہِ جارج پنجم‘‘، فیروز سنز، لاہور۔

۱۸۔ فرشتہ، قاسم، محمد، ترجمہ: مولوی محمد فدا علی: ۱۹۲۶ء، ’’تاریخ فرشتہ‘‘، جلد اوّل، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن۔

۱۹۔ گنجور، دیا کش: ۱۹۳۸ء، ’’بھگت سنگھ‘‘، دیا کش گنجور پبلی شر لکھنؤ آرٹ پریس لکھنؤ۔

۲۰۔ اقبال، محمد، علامہ، ۲۰۰۴ء، ’’کلیاتِ اقبال‘‘، مرتبہ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، مکتبۂ دانیال، لاہور۔

۲۱۔ مری، محمد، شاہ: ۲۰۱۶ء، ’’عبدالعزیز کرد‘‘، سنگت اکیڈمی، کوئٹہ۔

۲۲۔ مرزا جانباز: ۱۹۷۵ء، ’’کاروانِ احرار‘‘، جلد ا، مکتبہ تبصرہ، لاہور۔

۲۳۔ میر، میر تقی، مرتبہ: کلب علی خان فائق: ۱۹۹۱ء، ’’کلیاتِ میر‘‘ جلد دوّم، طبع دوّم، مجلسِ ترقی ادب، لاہور۔

۲۴۔ نارنگ، گوپی چند، ڈاکٹر: ۲۰۰۰ء، ’’ہندوستان کی تحریکِ آزادی اور اردو شاعری‘‘، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور۔

۲۵۔ ________: ۲۰۰۲ء، ’’غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب‘‘، قومی کونسل برائے فروغِ زبانِ اردو، دہلی۔

۲۶۔ نظامی، فخر الدین، مرتبہ: جمیل جالبی: ۱۹۷۳ء، ’’مثنوی کدم راؤ پدم راؤ‘‘، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔

۲۷۔ نیازی، محمود: ۱۹۶۴ء، ’’خزانۂ تلمیحات‘‘، ملک ڈپو اردو بازار، لاہور۔

۲۸۔ واردی، تقی، محمد، سید، ترجمہ: صادق عباس،: ۱۹۹۸ء، ’’خاندانِ عصمت‘‘ انصاریانِ پبلیکشنز، قم ایران۔

۲۹۔ ورما، بی۔این، پروفیسر: ۱۹۹۳ء، ’’آئینہ تاریخ‘‘، حصّہ اوّل، رام پرشاد برادر، آگرہ۔

لغات:

۳۰۔ ’’اردو لغت (تاریخی اصولوں پر)‘‘: ۱۹۷۱ء۔۲۰۱۰ء، اردو ڈکشنری بورڈ، کراچی۔

۳۱۔ رضوی، تصدق حسین، مولوی، سید: ۱۹۵۲ء، ’’لغاتِ کشوری‘‘، دارالاشاعت، کراچی۔

۳۲۔ عبداللہ قریشی، مرتب: ۱۹۸۶ء، ’’اقبال بنام پرشاد‘‘، بزم اقبال، کلب روڈ، لاہور۔

۳۳۔ عبدالمجید، خواجہ: ۱۹۸۹ء، ’’جامع اللغات‘‘، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۳۴۔ فرہنگِ نویسی (ناظم الاطبا)، تالیف، ڈاکٹر علی اکبر نفیسی: ۱۹۷۷ء، کتاب فروشی، تہران۔

۳۵۔ معلوف، لوئیس، ترجمہ: مولانا عبدالحفیظ بلیاوی: ۲۰۰۹ء، ’’المنجد‘‘، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور۔

۳۶۔ معین،محمد،ڈاکٹر۔ڈاکٹر سید جعفر شہیدی:۱۹۹۸ء،''لغت نامہ دہخدا''،جلد۵،دانش گاہ،جدید اشاعتِ دوم تہران
۳۷۔ لکھنوی،مہذب،محمد،مرزا:۱۹۷۸ء،''مہذب اللغات''،نظامی پریس،لکھنو۔

انسائیکلوپیڈیا:

۳۸۔ ایس۔اے رحمان،جسٹس:۱۹۸۷ء،''اردو جامع انسائیکلوپیڈیا''،جلد دوّم،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور۔
۳۹۔ ''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ'':۱۹۷۵ء،شعبہ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ،پنجاب یونی ورسٹی،لاہور۔
۴۰۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا'':۱۷۶۸ء،جلد۱۵،اشاعتِ اوّل،ولیم بین ٹین پبلشرز،لندن۔
۴۱۔ ''جامع انسائیکلوپیڈیا'':۲۰۱۵ء،ج۸،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،دہلی
۴۲۔ عبدالوحید:۲۰۱۴ء،''عالمی شخصیات(انسائیکلوپیڈیا)''،مشتاق بک کارنر،لاہور۔

رسائل:

۴۳۔ ذوالفقار،غلام حسین،ڈاکٹر:۱۹۸۱ء،''ظفر علی خان کے ادبی معرکے''،مشمولہ:نقوش،ادبی معرکہ نمبر۲،شمارہ،۱۲۷ء،مدیر:محمد طفیل،ادارہ فروغِ اردو،لاہور۔
۴۴۔ خان،ظفر علی،مولانا:۱۹۳۱ء،''روزنامہ زمیندار''۔جلد۱۸،لاہور۔
۴۵۔ مسعود،بنکدار،سید:۲۰۱۷ء،''بروسی علل بہ پیامد تہاجم روسیہ بہ حرم مطیر امام رضاؑ در سال ۱۳۳۰ق/۱۹۱۲ء بر اسناد نو یافتہ''مشمولہ:فصل نامۂ علمی پژوھش نامہ تاریخِ اسلام،سال ششم،شمارہ۲۳،ایران۔

Websites:

46- http//:www.britanica.com
47- http//:www.findagrave.com/ cgi.bin.lfg.cgi
48- http//:www.history.com.